نکتۂ تحقیق

انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت

جناب مولانا فضل الرحمن ایم۔ اے

زیر نظر مقالہ کی حیثیت محض ایک رائے کی ہے جسے مستند انداز میں فاضل مقالہ نگار نے پیش فرمایا ہے۔ نکتۂ تحقیق کے زیر عنوان ہم اسی طرح کی فاضلانہ آراء کو پیش کیا کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ادارہ اس سے متفق بھی ہو۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

اما بعد! کچھ عرصہ قبل انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت پر اخبارات میں چند علماء کرام کے بیانات نظر سے گزرے۔ بعض کا خیال تھا کہ حکومت اپنے خرچ اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام الناس پر ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ نظام زکوٰۃ کی موجودگی میں حکومت زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ کسی بھی قسم کے ٹیکس وصول کرنے کی مجاز نہیں۔

چونکہ طرفین نے اپنے مؤقف میں واضح شرعی دلائل نہیں دئے تھے۔ لہٰذا اس علمی مجلہ میں انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت پر مقالہ پیش کیا جا رہا ہے دعا ہے اللہ اسے نفع بخش بنائے۔

۱۔ مکس۔ الماکس اور المکّاس

احادیث میں ٹیکس کے لئے مکس کا لفظ استعمال ہوا ہے ٹیکس وصول کرنے والے کو الماکس یا المکاس یا صاحب المکس کہا جاتا ہے۔ جو زمانۂ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی ٹیکس وصول کیا کرتے تھے [۱] الترغیب والترھیب

[۱] کتاب الاموال صفحہ ۶۲۹ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۰۹۔ الفتح الربانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۔

کی روایات کے مطابق ایسے لوگوں کے بارے میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان صاحب المکس فی النار[1]

بے شک ٹیکس وصول کرنے والا جہنم میں ہوگا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

لا یدخل الجنۃ صاحب مکس یعنی العشار[2]

تجارتی عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

الحافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ نے الترغیب والترہیب میں لکھا ہے۔

اما الآن فانھم یاخذون مکسا باسم العشر و مکوسا اخر لیس لھا اسم بل شی یاخذونہ حراما سحتا ویاکلونہ فی بطونھم نارا حجتھم فیہ داحضۃ عند ربھم وعلیھم غضب ولھم عذاب شدید۔

ترجمہ: لیکن آج کل جو مکس یا مکوس عشر کے نام پر لوگ ٹیکس وصول کر رہے ہیں۔ اس کا کوئی نام ہی نہیں بلکہ وہ ناجائز اور حرام ہے۔ اپنے پیٹوں میں وہ آگ بھر رہے ہیں۔ اپنے رب کے پاس ان کی کوئی حجت نہیں چلے گی اور ان پر غضب ہوگا اور ان کے لئے سخت عذاب ہوگا۔

---

[1] دارمی صفحہ ۲۰۹ مسند احمد صفحہ ۱۴۳ تا ۱۵۰ جلد ۴ کتاب الاموال صفحہ ۲۹ ۴ - المستدرک جلد ۱ صفحہ ۴۰۴۔

[2] ابو داؤد صفحہ ۴۰۸ ابن خزیمہ - الترغیب والترہیب جلد ۱ صفحہ ۵۶۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بھی ناجائز قسم کے ٹیکس وصول کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ جس کی مذمت حافظ منذری نے اپنے وقت میں کی۔

اسی طرح مسند احمد کے شارح احمد عبدالرحمٰن البنا ساعاتی نے الفتح الربانی کے حاشیہ میں صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے۔

ان المکس من اعظم الذنوب وذلك لكثرة مطالبات الناس ومظلماتهم وصرفها فی غیر وجهها۔

ترجمہ: بے شک ٹیکس گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگوں سے کثرت کے ساتھ مطالبے کئے جاتے ہیں اور وصول نہ ہونے کی صورت میں ان پر ظلم کئے جاتے ہیں اور وصول کر کے ان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔

صفحہ ۷ پر انہوں نے مزید وضاحت یوں کی۔

انما کان فی النار لظلمه الناس واخذ اموالهم بدون حق شرعی فان استحل ذلك كان فی النار خالدا فیها ابدا لانه كافر والا فیعذب فیها مع عصاة المومنین ما شاء الله ثم یخرج ویدخل الجنة۔

ترجمہ: جہنم میں صاحب المکس اس لئے جائے گا کہ اس نے لوگوں پر ظلم کیا۔ ان سے شرعی حق کے بغیر مال وصول کیا۔ اگر اسے حلال سمجھے گا تو آگ میں ہمیشہ رہے گا۔ اس لیے کہ وہ کافر ہے۔ اگر حلال نہیں سمجھے گا تو گناہگار ہوگا۔ گناہگار ایمان والوں کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ پھر اللہ جب چاہے گا آگ سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

۲۔ جِزْیَۃ | ٹیکس کے لیے دوسرا لفظ جِزْیَۃ (جبایہ) استعمال ہوا ہے۔

جزیہ اس ٹیکس کو کہا جاتا تھا۔ جو غیر مسلموں سے ان کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا تھا[۱]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباریؒ[۲] میں نقل کیا ہے۔ یہ ۸ھ یا ۹ھ میں اس وقت وصول کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُونَ۔[۳]

ترجمہ: اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حرام کیا ہے۔ اسے حرام نہیں ٹھہراتے اور دین حق کو نہیں اپناتے۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

دار قطنیؒ[۴] اور کنز العمال میں مروی ہے کہ اسی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کو مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے میں تردد تھا۔ جب عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دیدی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تو انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے مطابق عمل کیا۔

خلفاء راشدینؓ کا یہ بھی دستور تھا کہ جزیہ وصول کرنے میں نرمی کی جائے۔

---

[۱] مفردات القرآن: جلد ۶: ص ۶۱۸

[۲] فتح الباری: جلد ۶: ص ۲۵۹۔

[۳] سورۃ التوبۃ: ۲۹

[۴] دار قطنی: جلد ۲: ص [illegible]، کنز العمال: جلد ۴: ص ۵۰۲

اور ذمیوں پر جزیہ ان کی استطاعت کے مطابق مقرر کیا جائے۔

بخاری اور مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے کہ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے پوچھا

ماشان اہل الشام علیھم اربعۃ دنانیر واھل الیمن

علیھم دینار؟ قال ذلک من قبل الیسار۔ [1]

ترجمہ: کیا بات ہے کہ اہل شام کے لیے ہر شخص پر چار دینار اور اہل یمن کے ہر فرد پر ایک دینار جزیہ ہے؟ (مجاہد) نے کہا یہ اس لیے کہ اہل شام آسودہ حال ہیں۔

اہل یمن کی مالی کمزوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر آسانی کی گئی۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ جزیہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ انوشیروان پہلا شخص تھا جس نے اس کا آغاز کیا۔ جیسا کہ تفسیر المراغی میں منقول ہے۔

اول من سن الجزیۃ کسری انوشیروان ۔ [2]

ترجمہ: سب سے پہلے جزیہ کسری انوشیروان نے شروع کیا۔

۳۔ خراج

ٹیکس کے لیے تیسرا لفظ خراج استعمال ہوا ہے۔ یہ ٹیکس بھی غیر مسلم اہل ذمہ پر لگایا گیا تھا۔ بلکہ لوگوں پر نہیں درحقیقت زمینوں پر لگان تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں زمینوں کو سابقہ مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا جاتا اور ان سے علاقے کے اعتبار سے ٹیکس وصول کیا جاتا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۱۰۱:۶، ۳۳

[2] المراغی ۱۰:۱، ۹۶۔

کیمیائے سعادت میں امام غزالی سے منقول ہے" معلوم ہونا چاہیے کہ حکومت وقت اگر مسلمانوں سے خراج کے طور پر مال لیتی ہے تو وہ ناجائز ہے"۔ لے

مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت علاء بن الحضرمی سے مروی ہے۔

بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی البحرین فکنت الی الحائط یکون بین الاخوة یسلم احدهم فاخذ من المسلم العشر والمشرك الخراج۔ ٢ے

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین کی طرف بھیجا۔ پس میں ایسے باغ میں آتا جس میں کئی بھائی شریک ہوتے۔ ان میں سے ایک مسلمان ہوتا۔ پس میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج وصول کرتا۔

خراج اس غلام سے بھی لیا جاتا تھا جو کسی ہنر میں مہارت رکھنے کی بنا پر کمائی کرتا اور اپنے آقا کو طے شدہ خراج ادا کرتا۔

۴۔ ضریبةٌ یا غلّة

ٹیکس کے لیے چوتھا لفظ ضریبۃ یا غلہ استعمال ہوا ہے۔

بخاری میں انس بن مالک سے مروی ہے۔

حجم ابو طیبة النبی صلی الله علیه وسلم فامر له بصاع او صاعین من طعام وکلم موالیه فخفف عن غلة او ضریبة ٣ے

ترجمہ: ابو طیبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائیں۔ آپ نے اس کے لیے صاع یا

لے کیمیائے سعادت۔ صفحہ ۳۰۱

٢ے مسند احمد صفحہ ۵۲۔ ابن ماجہ صفحہ ۱۳۱

٣ے بخاری صفحہ ۳۰۴۔

دو صاع اناج دینے کا حکم فرمایا اور اسکے موالی (مالکوں) سے بات کی۔ پس اس کے ٹیکس میں تخفیف کردی گئی۔

یہاں بھی تخفیف کی بات ہو رہی ہے۔ بلکہ اگر کسی سے خراج یا ٹیکس کی وصولی میں سختی کی گئی تو اس کا نوٹس لیا گیا۔

مسلم[۱] اور مسند احمد میں حکیم بن حزام سے مروی ہے۔

انہ مر بالناس من اہل الذمۃ قد اقیموا فی الشمس بالشام فقال ما ھولاء؟ قالوا بقی علیھم شیٔ من الخراج فقال انی اشھد انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عزوجل یعذب یوم القیامۃ الذین یعذبون الناس قال وامیر الناس یومئذ عمیر بن سعد علی فلسطین قال فدخل علیہ فحدثہ فخلی سبیلھم

ترجمہ: بے شک ان کا گزر شام میں اہل ذمہ میں سے کچھ لوگوں پر ہوا۔ جن کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ ان کو بتایا گیا کہ خراج کی کچھ رقم ان پر باقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک اللہ عزوجل ان کو قیامت کے روز عذاب دے گا جو (دنیا میں) لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں کے فلسطین پر امیر عمیر بن سعدؓ تھے۔ حضرت حکیم ان کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی۔ عمیر نے اہل ذمہ کو چھوڑ دیا۔

---

[۱] مسلم صفحہ ۳۲۷ - مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۰۳ -

۵ - عشور | ٹیکس کے لیے پانچواں لفظ عشور استعمال ہوا ہے۔

ابوداؤد۔ نیل الاوطار اور کنز العمال میں منقول ہے کہ اس سے مراد اسلامی عشر یا عشور الصدقات نہیں بلکہ یہ وہ تجارتی عشور تھا جو یہود و نصاریٰ سے مسلمانوں کے علاقوں میں تجارت کرنے کی وجہ سے وصول کیا جاتا تھا۔[1]

المحلی ابن حزم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ان سے فرمایا۔

خذ من المسلمین من کل اربعین درھما درھما و من

اھل الذمۃ من کل عشرین درھما درھما و ممن

لا ذمۃ لہ من کل عشرۃ دراھم درھما۔[2]

ترجمہ: مسلمانوں سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم لو بزا ۲½ اور اہل ذمہ سے ہر بیس درہم پر ایک درہم لو۔ بز ۵ جو اہل ذمہ نہیں ان سے ہر دس درہم درہم لو بز ۱۰۔

نیل الاوطار کے مطابق زید بن حدیر کو بھی حضرت عمر فاروق سے یہی حکم ملا۔ ان حوالوں سے عیاں ہوا کہ ٹیکس کی جو بھی صورتیں تھیں ان کی ادائیگی غیر مسلموں پر واجب تھی۔ مسلمانوں کو ان تمام ٹیکسوں کے بوجھ سے زکوٰۃ کی وجہ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

چنانچہ مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مجمع الزوائد، الفتح الربانی میں سعید بن زید سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یا معشر العرب احمدوا اللہ الذی رفع عنکم العشور۔[3]

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۴۳۲ نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۲۶۔

[2] المحلی ابن حزم جلد ۶ صفحہ ۱۱۵۔

[3] مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۹۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۷۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۸۷ الفتح الربانی جلد ۹ صفحہ ۱۵

ترجمہ: اے جماعت عرب اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تم سے عشور کو ہٹا دیا۔

احمد عبدالرحمٰن البنا ساعاتی نے حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یعنی ما کانت تاخذہ ملوکھم ورؤساء قبائلھم منھم

من الضرائب والعشور ونحو ذلک۔ [1]

ترجمہ: یعنی وہ ٹیکس اور عشور جو ان کے بادشاہ اور قبائل کے سرداران سے وصول کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح کے دوسرے ٹیکس۔

ابو عبید نے کتاب الاموال میں نقل کیا ہے۔

انہ قد کان لہ اصل فی الجاھلیۃ یفعلہ ملوک العرب

والعجم جمعیا فکانت سنتھم ان یاخذوا من التجار

عشرا موالھم اذا مروا بھم۔ [2]

ترجمہ: اس کی بنیاد جہالت کے زمانے میں رکھی گئی جب عرب وعجم کے بادشاہوں کا یہ طریقہ بن گیا کہ اپنے پاس سے گزرنے والے تاجروں سے ان کے مالوں پر دس فیصد ٹیکس وصول کرتے تھے۔

لیکن جب سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے عشور کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ابو داؤد، مصنف ابن ابی شیبہ اور کتاب الاموال کی روایات کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا:

انما العشور علی الیھود والنصاری ولیس علی المسلمین عشور۔ [3]

ترجمہ: بے شک عشور یہود و نصاریٰ پر ہے مسلمانوں پر عشور نہیں۔

---

[1] الفتح الربانی: ۱۵:۱۹

[2] کتاب الاموال صفحہ ۷۲۴۔

[3] ابوداؤد صفحہ ۴۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۹۷۔

شارح مسند احمد احمد عبدالرحمن البنا ساعاتی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ مسلمانوں سے وہی وصول کیا جائے گا۔ جو صدقات و زکوٰۃ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے۔ مسلمانوں سے ٹیکس یا اس کی مثل کچھ بھی وصول نہیں کیا جائے گا۔ اگر کیا جائے گا تو وہ جزیہ کی صورت اختیار کر جائے گا۔

امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی میں باب باندھا ہے۔

باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیہ۔

مسلمانوں پر کوئی جزیہ نہیں اس کا باب۔

پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

لا یصلح قبلتان فی ارض واحدۃ ولیس علی المسلمین جزیۃ۔[1]

ترجمہ: ایک زمین میں دو قبلے درست نہیں اور مسلمانوں پر جزیہ نہیں۔

ابوداؤد نیل الاوطار اور احمد میں بھی یہی منقول ہے کہ مسلمانوں پر کوئی ٹیکس نہیں[2]

امام ترمذی نے یہ کہا ہے۔

والعمل علی ھذا عند عامۃ اھل العلم۔

ترجمہ: عام اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔

یہ بھی منقول ہے۔

ان النصرانی اذا اسلم وضعت عنہ جزیۃ رقبتہ۔

ترجمہ: بے شک نصرانی جب مسلمان ہو جائے گا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

---

[1] الترمذی صفحہ ۱۰۹ جلد ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۷

[2] ابوداؤد صفحہ ۴۳۳۔ نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۶۹۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۸۵۔

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

تسقط الجزیۃ بالاسلام والموت عند ابی حنیفۃ لقولہ

علیہ السلام لیس علی مسلم جزیۃ۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک (غیر مسلم) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے اسلام لانے یا مرجانے سے جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق

کان ابوحنیفۃ یقول لا یجتمع خراج وزکوٰۃ علی رجل۔[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص پر خراج اور زکوٰۃ جمع نہیں ہوسکتے۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں واضح کیا ہے۔

ای لیس علیھم غیر الزکاۃ من الضرائب والمکس ونحوھا۔[2]

ترجمہ: یعنی مسلمانوں پر سوائے زکوٰۃ کے کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں۔

الفتح الربانی[3] میں حرب بن عبداللہ الثقفی کے خالو سے مروی ہے۔ میں نے اپنی قوم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

اعشرھا؟ فقال انما العشور علی الیھود والنصاری و لیس علی اھل الاسلام عشور۔

ترجمہ: کیا میں اپنی قوم سے عشور وصول کیا کروں؟ آپ نے فرمایا۔ بے شک عشور یہود و نصاریٰ پر ہے۔ اہل اسلام پر عشور نہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔

[2] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۷۴۔

[3] الفتح الربانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۔

مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ فرض ہے عشر بھی زکوٰۃ کی ایک صورت ہے

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جس کی ادائیگی کا پابند بنایا ہے وہ ٹیکس نہیں بلکہ زکوٰۃ کی صورت میں ایک فریضہ ہے جیسا کہ سورہ توبہ میں فرمایا۔ فریضہ من اللہ ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے۔ جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے۔ جو مسلمان اس کی ادائیگی کا منکر ہو گا۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کیا۔ تلوار کی نوک پر ان سے زکوٰۃ وصول کی۔ اسی لیے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس نہیں۔

کنز العمال اور المیزان الکبریٰ میں مروی ہے۔

انہ لیس فی المال سوی الزکاۃ[1]

ترجمہ: مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ نہیں۔

ترمذی ابن ماجہ فتح الباری زوائد ابن حبان اور کنز العمال کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ادیت زکوٰۃ مالک فقد قضیت ما علیک۔

ترجمہ: جب تو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو جو کچھ تجھ پر فرض تھا تو نے اسے پورا کر دیا۔

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۲۔

[2] ترمذی جلد ا صفحہ ۱۰۷۔ ابن ماجہ صفحہ ۱۲۸۔ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۷۲۔ زوائد ابن حبان صفحہ ۲۰۴ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۹۳۔

فاطمہ بن قیس کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا۔

لیس فی المال حق سوی الزکاۃ۔

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ فرض نہیں۔

ترمذی کی روایت کا ٹکڑا ہے کہ ایک شخص نے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اگر تو کچھ دے گا تو وہ صدقہ ہوگا۔

احکام السلطانیہ میں بھی امام ابوالحسن بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے۔

ولا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا۔ [1]

مسلمان کے مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ فرض نہیں۔

کنز العمال [2] کی روایت ہے۔

ان تمام اسلامکم ان تودوا زکوٰۃ اموالکم۔ [2]

تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

بخاری اور فتح الباری [3] میں ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اللہ کے رسول!

دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ قال تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلاۃ المکتوبۃ وتؤدی الزکاۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا فلما ولی قال

---

[1] احکام السلطانیۃ صفحہ ۱۱۳۔

[2] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۹۶۔

[3] بخاری صفحہ ۱۸۷۔ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۶۱۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا۔

ترجمہ: مجھے ایسا عمل بتائیں جسے میں کر کے جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ شرک نہ کر۔ فرض نماز قائم کر۔ زکوۃ مفروضہ ادا کر۔ رمضان کے روزے رکھ۔ اس نے کہا۔ قسم ہے اُس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہ کرونگا۔ جب وہ لوٹنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو پسند کرتا ہے کہ کسی جنتی کو دیکھے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔

بخاری شریف ہی کی روایت ہے کہ حضرت معاذؓ کو جب آپ نے عامل بنا کر بھیجا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانّی رسول اللہ فان اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ فان اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم۔[1]

ان کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دینا اور بتانا کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں

---

[1] بخاری صفحہ ۱۸۷

فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتانا کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے۔ جو ان کے امیروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں پر لوٹایا جائے گا۔

بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

فاخبرهم ان الله فرض عليهم زكوة فى اموالهم۔[1]

پس ان کو آگاہ کرنا کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے لیے صدقہ کا بھی لفظ استعمال ہوا ہے۔

بخاری کی تیسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔

فان اطاعوالك بذلك فاياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب[2]

اگر وہ تمہاری (زکوٰۃ دینے میں) اطاعت کریں تو ان کے اچھے مال (زکوٰۃ میں لینے) سے بچنا۔ اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

صحیح بخاری کی روایات اور دیگر حوالہ جات سے بالکل واضح ہو گیا کہ مسلمان پر صرف زکوٰۃ واجب ہے۔ جو ہر صاحب نصاب کو ہر حال میں ادا کرنی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عامل کو ظلم کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسے یہ بھی حق نہیں کہ اپنی پسند کا جو مال چاہے زکوٰۃ کی صورت میں زبردستی وصول کرے۔ اگر حق سے کچھ زیادہ لینا چاہے تو اس کی بھی اس کو اجازت نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر الصدیق رض نے اپنے دور خلافت میں حضرت انس رض کو بحرین کا عامل

---

[1] بخاری ص ۱۹۴

[2] بخاری صفحہ ۲۰۳۔

بناتے ہوئے تحریری حکم دیا۔

بخاری۔نیل الاوطار۔الام۔جمع الفوائد۔میں یہ روایت موجود ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض

رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين والتي امر الله بها

رسوله فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها

ومن سئلها فوقها فلا يعط۔[1]

ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ صدقہ کا وہ فریضہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور یہی وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔پس مسلمانوں میں سے جس سے فریضہ کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔

صحیح بخاری جو کہ آج کل مدارس میں متداول ہے۔اس میں فلا یعط کے نیچے بین السطور لکھا ہوا ہے۔

ای زائدا على الفريضة المعينة۔

یعنی فرض معینہ سے جب زیادہ طلب کیا جائے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ البالغہ۔[2] میں یہی لکھا ہے کہ جب زیادہ مانگا جائے تو نہ دے۔

اسلام ہمارے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس میں بنیادی باتوں کی ہمارے لیے پوری پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

---

[1] بخاری ۱۹۵ نیل الاوطار ۱۳۳ ج ۴ : الام ۴ ج ۲ جمع الفوائد ۲۴۸

[2] ۵۳ (مترجم)

احادیث میں زکوٰۃ کے ابواب میں سونے چاندی۔ نقدی۔ جانوروں، اناج اور پھلوں پر جو کچھ واجب ہوتا ہے، اس کی تفصیل موجود ہے۔

عُشر اور نصف عُشر بھی زکوٰۃ ہی کی ایک صورت ہے۔ قدرتی وسائل سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں عُشر اور مصنوعی ذرائع سے سیراب ہونے والی کی پیداوار پر نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

تجارت کے تجارتی سامان میں ۲½ فیصد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں زکوٰۃ اور صدقات کے ساتھ انفاق فی سبیل کا بھی ذکر آیا ہے ان تینوں میں نصاب کے مطابق فرض ہے اور باقی نفلی مالی عبادت ہوگی۔

المحلی ابن حزم[1] میں ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے۔

نسخت الزکاۃ کل حق فی المال۔

زکوٰۃ نے مال کے ہر حق کو منسوخ کر دیا ہے۔

اسلامی ریاست کا ابتدائی دور

اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حکومت اور مسلمانوں کو جتنی مال کی ضرورت تھی۔ بعد میں ویسی صورت کبھی بھی سامنے نہیں آئی۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین نے زکوٰۃ و عشر کے علاوہ زبردستی ٹیکس لگا کر مال وصول کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی ضرورت پیش آئی تو آپ نے رضا کارانہ طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ غزوۂ تبوک اس کی بہترین مثال ہے۔

---

[1] ابن حزم: المحلی: ۶: ۱۵۸

اس تناظر میں غزوۃ الرقاع بھی دیکھ لینا چاہیے۔ جس کا نقشہ صحیح بخاری[1] میں یوں کھینچا گیا ہے۔

ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کے لیے نکلے۔ ہم چھ آدمیوں کے درمیان ایک اونٹ تھا۔ ہم باری باری اس پر سوار ہوتے تھے جس کی بنا پر زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں زخمی ہو گئے۔ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن اتر گئے۔ ہم اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹتے تھے۔ اسی وجہ سے اس غزوۃ کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑ گیا۔ اس حدیث کو دیکھ کر کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ جتنی مال کی ضرورت آپ کو اس وقت تھی اتنی کبھی بھی مسلمانوں کو نہیں ہوئی اس کے باوجود آپ نے اپنے جانثاروں پر کسی بھی صورت میں سختی نہ کی۔

اس سے بڑھ کر ضرورت اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ سید الانبیاء مصطفیٰ ومجتبیٰ رحمۃ اللہ للعالمین، خاتم النبیین امام المتقین رئیس المستغفرین نبی التوبہ نبی الرحمۃ بشیر نذیر سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

بخاریؒ کے الفاظ ہیں۔ عائشہ سے مروی ہے۔

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودرعہ مرھونۃ عند یھودی بثلثین صاعا۔[2]

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع کے بدلے گروی تھی۔

آپ چاہتے تو ہر ذریعہ اور طریقہ سے مال حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے

---

[1] بخاری شریف صفحہ ۵۹۲

[2] امام بخاری: الجامع الصحیح ۱:۴۴۱

امت کو مشکل سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کو نمونہ بنا کر امت کو پریشان کیا جاتا۔ ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر حق و صداقت سے دور کیا جاتا۔ جھوٹ و خیانت کی راہ پر چلایا جاتا۔

پیچیدہ مسئلہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر موجودہ مروج انکم ٹیکس شرعی نہیں تو کیا اسے ختم کر دیا جائے۔ اگر ختم کر دیا جائے تو حکومت کی آمدنی کہاں سے ہوگی؟ اتنے بڑے ملک کو چلانے کے لیے خرچ و اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ خلفاء راشدین کے وقت میں تو فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مالِ غنیمت اور خراج کی رقم اتنی جمع ہو جاتی تھی کہ زکوٰۃ کی ان کو ضرورت ہی نہیں رہتی تھی۔ جمع بھی ہوتی تھی تو غرباء و مساکین پر خرچ ہو جاتی تھی۔

دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے۔ کہ اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے تو کیا اس کو حکومت چلانے کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے؟ ملک کے دفاع کی خاطر اسلحہ خریدا جا سکتا ہے؟ پل۔ سڑکیں اور رفاہی ادارے بنانے پر اس کا مصرف ہو سکتا ہے؟ کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف تو قرآن پاک میں متعین کر دیئے گئے ہیں۔ مسئلہ تملیک کے تحت اس کا مستحق وہی ہوگا جو مالک ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

یہ اہم سوال ہیں جن کے بارے میں غور کر کے کوئی راہ نکالنی ہے۔ سب سے پہلے تو قرآن پاک کی اس آیت کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

یا یھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو بے شک وہ تمہارا ظاہرہ دشمن ہے۔

---

[1] البقرہ-۲۰۸

جب تم نفاذِ اسلام کی کوشش کرے تو اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو پوری طرح سے کیوں نہیں اپنایا جا سکتا؟ کیونکہ یہی نظام ہمارے تمام مالی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ قرآن کے بیان کردہ مصارف سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ قرآنی مصارف میں فی سبیل اللہ ایک ایسا مصرف ہے جس میں وہ تمام کام آجاتے ہیں۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ کارِ خیر بھی شامل ہیں جن کے : ریعے اللہ کی خوشنودی کا حصول مطلوب ہو۔

اسلامی ریاست کا قیام اللہ کے نام پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا دفاع اور اس کی بقاء وسلامتی پر جو کچھ خرچ ہو گا وہ بھی اللہ کے نام پر ہو گا۔

جہاد جب ہو رہا ہو تو اس وقت زکوٰۃ اسلحہ کی خریداری اور مجاہدین پر خرچ ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ موجودہ دور کے تقاضوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اب جہاد کی وہ صورت باقی نہیں رہی جو آغازِ اسلام میں تھی۔ اب جہاد کی تیاری ایک مسلسل عمل ہے۔ اسلحہ کی فراہمی میں سالوں سال لگ جاتے ہیں۔ لڑائی کے موقعہ پر طیارے۔ ٹینک اور دوسرا اسلحہ حاصل کرنا ایک امر محال ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں اب اجتہاد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جہاد کی تیاری کو جہاد کا ہی حصہ تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ کے مصرف "فی سبیل اللہ" کو دفاع مملکت خداداد پاکستان پر خرچ کیا جانا چاہیئے۔

جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بھی یہ ارشاد ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ۔

جتنی بھی تم دشمن کے خلاف قوت جمع کر سکتے ہو کرو۔

یہی معاملہ سڑکوں پلوں اور دوسرے رفاہی کاموں کا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا غرباء ومساکین کو ان سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیا وہ مسافروں کی گزرگاہیں نہیں۔

جب مقصود اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود ہے تو زکوٰۃ ان پر خرچ کیوں نہیں ہوسکتی ؟
مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں بھی چند تفاسیر اور حوالوں کو دیکھ لیا جائے تاکہ یہ بھی مسئلہ صاف ہو جائے۔

امام احمد مصطفیٰ المراغی نے اپنی تفسیر المراغی میں لکھا ہے۔

روی عن الامام احمد انہ جعل الحج من سبیلھم ویدخل فی ذلک جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجور والحصون وعمارۃ المساجد ونحو ذلک ۔ لہ

ترجمہ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حج کو فی سبیل اللہ میں رکھا اور وہ بھلائی کے تمام کاموں کو اس میں شامل کرتے تھے۔ جیسے لاوارث مردوں کی تکفین پلوں قلعوں اور مساجد کا بنانا اور اسی طرح کے دوسرے کام بھی فی سبیل اللہ میں شمار کرتے تھے۔ امام المراغیؒ نے مزید وضاحت یوں کی۔

والحق ان المراد بسبیل اللہ مصالح المسلمین العامۃ التی بھا قوام امر الدین والدولۃ دون الافراد کتامین طرق الحج وتوفیر الماء والغذاء واسباب الصحۃ ۔ ٢ه

اور حق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد عامۃ المسلمین کی بھلائی ہے۔ جس سے دین اور حکومت کا قائم رہنا وابستہ ہو اسی طرح حج کے لیے استعمال ہونے والی راہیں۔ پانی کا مہیا کرنا۔ غذا اور اسباب صحت ہیں
تفسیر بیضاوی میں امام بیضاویؒ سے مروی ہے۔

لہ احمد مصطفیٰ المراغی: تفسیر المراغی: ۱۰: ۱۴۵

٢ه ایضاً

وللصرف فی الجهاد بالانفاق علی المنطوعة وابتیاع الکراع والسلاح وقیل فی بناء القناطیر والمصانع [1]

ترجمہ۔ فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کا ایک حصہ جہاد میں رضا کارانہ طور پر شامل ہونے والوں پر، گھوڑوں اور اسلحہ کی خریداری پر خرچ ہونا چاہیئے اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ اس کو پلوں اور کارخانے بنانے پر بھی خرچ کیا جانا چاہیئے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر [2] میں نقل کیا ہے۔

قال المفسرون یعنی الغزاۃ قال الشافعی یجوز ان یاخذ من مال الزکوٰۃ وان کان غنیا وھو مذھب مالک واسحاق و ابی عبید قال ابو حنیفۃ وصاحباہ رحمھم اللہ لا یعطی الغازی الا اذا محتاجا واعلم ان ظاھر اللفظ فی قولہ فی سبیل اللہ لا یوجب القصر علی کل الغزاۃ فلھذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقھاء انھم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد لان قولہ فی سبیل اللہ عام فی الکل۔

ترجمہ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد غازی ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غازی کیلیے جائز ہے کہ وہ غنی ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ کا مال لے لے یہی مذہب امام مالک امام اسحاق اور امام ابو عبید کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں نے کہا ہے۔ کہ غازی کو صرف اس وقت دیا جائے جب وہ

---

[1] ناصر الدین۔ البیضاوی: انوار التنزیل فی اسرار التاویل: ۱: ۴۲۰

[2] امام فخر الدین رازی: تفسیر کبیر: ۴: ۶۸۱

محتاج ہوں۔ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح لفظ فی سبیل اللہ غازیوں تک ہی محدود نہیں اس معنی میں۔ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا کہ انہوں نے بھلائی کے تمام کاموں میں صدقات کو خرچ کرنا جائز رکھا ہے۔ جیسا کہ مردوں کی تکفین۔ قلعوں اور مساجد کا بنانا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فی سبیل اللہ عام ہے۔ قطب شہیدؒ نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔

وذلك باب واسع يشمل كل مصلحة للجماعة۔[1]

یہ بڑا وسیع باب ہے۔ جو جماعت کے لیے ہر مصلحت کو گھیرے ہوئے ہے۔

فقہ السنۃ[2] کے الفاظ ہیں۔

ان الله تعالیٰ فرض فی اموال الاغنیاء صدقة لمواساة الفقراء ومن فی معناهم واقامة المصالح العامة۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے امیروں کے مال میں غریبوں کی ہمدردی کے لیے صدقہ فرض کیا اور ان کے لیے جو ان کی طرح ہوں اور عام لوگوں کی بھلائی کے لیے جو کام ہوں ان کے لیے بھی

کتاب الاموال[3] میں عبدالعزیز بن صہیب سے مروی ہے کہ انس بن مالک اور حسنؒ دونوں نے کہا۔

ما اعطيت فی الجسور والطرق فهی صدقة ماضية۔ (قاضیۃ)

جو کچھ تو نے پلوں اور سڑکوں کے لیے دیا وہ مقبول صدقہ (زکوٰۃ) ہے۔

---

[1] فی ظلال القرآن صفحہ ۲۴۵ ج ۴

[2] فقہ السنۃ ۱:۱ ص ۲۴۵

[3] ابو عبید کتاب الاموال صفحہ ۵۰۹

یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۶ ج ۳ میں بھی موجود ہے۔
کتاب الخراج[1] میں امام قاضی ابو یوسفؒ نے مصارف زکوۃ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وسهم في اصلاح طرق المسلمين۔
ایک حصہ مسلمانوں کی سڑکوں کی درستگی پر بھی خرچ کیا جائے۔
الفقہ علی المذاہب الاربعۃ[2] میں مالکیوں کے حوالے سے منقول ہے۔

ويصح ان يشترى من الزكاة سلاح وخيل للجهاد۔
زکوۃ کے مال سے جہاد کے لیے گھوڑوں اور اسلحہ کا خرید نا درست ہے۔
الام[3] میں امام شافعی سے مروی ہے۔

يعطى الغزاة الحمولة والرحل والسلاح والنفقة والكسوة
غازیوں کو بار برداری اور سواری کے لیے جانور، اسلحہ، خرچہ اور کپڑے دیئے جائیں۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۶۲۳
حافظ ابن حجر نے سبل السلام[4] میں لکھا ہے۔

كذلك الغازى يحل له ان يتجهز من الزكاة وان كان غنيا لانه ساع فى سبيل الله قال الشارح ويلحق به من كان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمين

---

[1] امام ابو یوسف کتاب الخراج : ۸۱
[2] عبد الرحمن الجزیری : الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶۲۳
[3] الامام الشافعی : کتاب الام : ۲: ۸۵
[4] حافظ ابن حجر نے سبل السلام ۱۴۵ - ۱۴۶ ج ۲

كالقضاة والافتاء والتدريس وان كان غنيا وادخل ابو عبيد من

كان فى مصلحة عامة فى العاملين و اشار اليه البخارى

قال باب رزق الحاكم والعاملين واراد بالرزق

مايرزقه الامام من بيت المال لمن يقوم مصالح المسلمين

كالقضاء والفتيا والتدريس فله الاخذ من الزكاة فيما يقوم

به مدة القيام بالمصلحة وان كان غنيا -

ترجمہ: اسی طرح غازی کے لیے حلال ہے کہ اس کو زکوٰۃ کے مال سے تیار کیا جائے اگرچہ وہ غنی ہی ہو۔ اسلئے کہ وہ اللہ کی راہ میں کوشش کرنیوالا ہے شارح نے کہا اور اس کے ساتھ اسے بھی ملایا جائے گا جو کہ مسلمانوں کے لیے بھلائی کے کاموں میں سے کوئی کام کر رہا ہو۔ جیسا کہ قاضی بننا۔ فتویٰ دینا اور پڑھانا اگرچہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔ ابو عبید نے مصلحت عامہ میں لگے ہوئے عاملین کو بھی اس میں شامل کیا ہے اور امام بخاریؒ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باب باندھا ہے۔ حاکم اور عاملین کا رزق" رزق سے مراد وہ تنخواہ ہے جو امام بیت المال سے ان کو دیتا ہے جو مسلمانوں کی بھلائی میں مصروف ہوتے ہیں جیسا کہ قاضی بننا فتویٰ دینا اور پڑھانا۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ سے تنخواہ لینی اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ بھلائی کے کام پر مامور رہتے ہیں اگرچہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح صاحب بدایۃ المجتہد[1] نے بھی قاضیوں اور لوگوں کی خدمت کرنے والوں کے بارے میں لکھا ہے۔ انہوں نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد اور رباط بھی لیا ہے امام شافعیؒ نے الام[2] میں ایک واقعہ بھی اس سلسلہ میں نقل کیا ہے۔

---

[1] ابن رشید بدایۃ المجتہد: ۱: ۲۰۱

[2] الشافعی امام: کتاب الام: ۲: ۷۵

قد روی ان عدی بن حاتم اتی ابا بکر بنحو ثلثمائة بعیر صدقة قومه فاعطاه منها ثلاثین بعیرا وامره بالجهاد مع خالد فجاهد بنحو من الف رجل۔

روایت کی گئی ہے کہ عدی بن حاتم حضرت ابوبکرؓ کے پاس اپنی قوم کے صدقہ کے تین سو اونٹ لائے۔ ابوبکرؓ نے اُن کو ان اونٹوں میں سے تیس اونٹ دیئے اور ان کو حکم دیا کہ خالدؓ کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔ پس ایک ہزار کے قریب لوگوں نے جہاد کیا۔

المحلی ابن حزم کی روایت ہے۔[۵۱]

قیل قد روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الحج من فی سبیل اللہ وصحیح عن ابن عباس ان یعطی منها فی الحج قلنا نعم وکل فعل خیر فهو فی سبیل اللہ تعالیٰ۔[۵۲]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ بے شک حج بھی فی سبیل اللہ میں سے ہے اور ابن عباسؓ سے صحیح مروی ہے۔ کہ زکوٰۃ میں سے حج کے لیے دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں ہاں ہر بھلائی کا کام اللہ تعالیٰ کی راہ میں سے ہے یعنی فی سبیل اللہ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنی تفسیر ماجدی[۵۳] میں بھی اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کی جد و جہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا۔

---

۵۱ ابن حزم: المحلّی: ۶: ۱۵۱

۵۲ تفسیر ماجدی پارہ ۱۰: ص ۱۱۴

علامہ رشید رضا نے بھی تفسیر المنار میں اسکی تائید کی ہے۔ کہ فی سبیل اللہ سے مراد تمام شرعی مصالح عامہ ہیں۔ جن پر دین وحکومت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ان میں سے مقدم جنگ کے لیے تیاری اسلحہ خریدنا فوجیوں کی خوراک کا بندوبست کرنا، ذرائع نقل وحرکت مہیا کرنا اور غازیوں کو تیار کرنا ہے۔

شیعہ حضرات کی کتابوں میں بھی اس پر اتفاق ہے کہ مال زکوٰۃ بھلائی کے ہر کام پر خرچ ہو سکتا ہے۔

مذکورہ حوالوں سے ثابت ہوجاتا ہے کہ شریعت نے "فی سبیل اللہ" میں کافی وسعت رکھی ہے چنانچہ اس وسعت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مالی نظام کو اسلامی تعلیم کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ غیر اسلامی ٹیکسوں کو جاری رکھنے سے واضح ہوگا کہ اسلام نے جاہلیت کے جن ٹیکسوں کو ختم کیا ہم انہیں کو جاری رکھنے پر مصر ہیں۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں ہم پر جو عائد کیئے ان کو (ISLAMIZE) کر رہے ہیں یا مسلمان حکمران غیر مسلم ذمیوں وغیرہ سے ان کی حفاظت کے بدلے جو ان سے وصول کیا کرتے تھے۔ وہی اسلامی حکومت اسلامی ریاست میں مسلمانوں سے وصول کرنے کی کوشش کر رہی ہے

حالانکہ اسلامی فلاحی ریاست میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مسلمان کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں۔ مسلمانوں نے جب بھی زکوٰۃ کے علاوہ کچھ دیا یا خرچ کیا تو وہ رضا کارانہ طور پر اللہ کے ہاں اجر پانے کے لیے تھا۔ اگر کہا جائے کہ اس وقت مسلمانوں نے اپنے مال رضا کارانہ طور پر پیش کر دیے تو اب ایسا ممکن کیوں نہیں؟ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب بھی ایسا ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہوتا رہے گا۔ قوم پر جب آزمائش کا وقت آیا تو قوم نے ملک وملت اور دین کی خاطر نہ صرف مال پیش کیا بلکہ اپنی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ ماضی میں ہونے والی جنگوں میں پوری قوم ایثار وقربانی کا مجسمہ بن گئی

بات صرف اتنی ہے کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے۔ زکوۃ کو مستحقین میں خرچ کرنے کے ساتھ دفاعِ ملک پر بھی استعمال کیا جائے۔ غرباء و مساکین کی فلاح و بہبود کو مقدم رکھا جائے۔ اگر زکوۃ سے ملکی و قومی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں تو قوم میں وہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں میں پیدا فرمایا۔ مسلمان قوم کا ہمیشہ ہی یہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی اللہ کے نام پر ان سے مانگا جاتا ہے تو یہ دل کھول کر پیش کر دیتی ہے۔

رہی یہ بات کہ زکوۃ کی صورت میں شاید اتنا مال لوگوں سے وصول نہ ہو جتنا ٹیکس کی صورت میں ہوتا ہے تو اس بارے میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہوگا۔ کہ لاہور میں ایک مذاکرے کے دوران جو عُشر پر ہوا۔ حکومت پنجاب کے نمائیدہ نے ہمیں بتایا۔ اس وقت سارے پاکستان سے مالیہ کی وصول ہونے والی رقم ۳۲ کروڑ ہے جبکہ عشر کے بارے میں خیال ہے کہ سات سو کروڑ اکٹھا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ حکومت کو اندازے کے مطابق رقم وصول ہوئی کہ نہیں؟

مروجہ نظام ٹیکس کی وجہ سے تجار اور صنعت کاروں میں اضطراب پایا جاتا ہے اگر ان سے کہا جائے کہ جو کچھ ٹیکس کی صورت میں ادا کرتے ہو اسے زکوٰۃ تصور کرتے ہوئے کچھ بڑھا دو تو وہ یقیناً حکومت کو مایوس نہیں کریں گے۔ انشاء اللہ۔

اگر تجار میں مایوسی بڑھتی ہی رہی تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا لہٰذا ظلم و تعدی کے نظام کو ترک کر کے اسلامی نظام زکوۃ جتنی جلدی اپنا لیا جائے اتنا ہی ہمارے لیے اچھا ہوگا۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شہروں کی بربادی کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ یہ بیان کی کہ کاشتکاروں تاجروں اور اہل حرفت پر بھاری ٹیکس لگا دیا جائے۔ پھر

ان پر سختی کی جائے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مزید وضاحت یوں کی:

کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو مال وہ محنت و مشقت کے ساتھ کماتا ہے۔ اس میں سے حکومت کو اتنا دینا پسند کرتا ہے جو شرعی طور پر اس پر واجب ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ جب اس سے طلب کیا جائے تو وہ بچنے کی کوشش کرے گا۔ کاروبار پر جتنی توجہ دینی ہو اتنی دے نہیں دے پائے گا۔ کاروبار کو بڑھانے اور پھیلانے کی بجائے گھٹانے اور سمیٹنے کی طرف مائل ہو جائے گا۔ جس سے معیشت متاثر ہو گی بے روزگاری بڑھے گی۔

نظام زکوٰۃ پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ[1] شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہوں۔ بیت المال کے اندر سوائے زکوٰۃ کے اور کوئی مال کثیر نہیں ہوتا۔ اس واسطے اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ مال شہر کی ضروریات کو کافی ہو سکے۔[1]

اختتام

آخر میں حکومت سے التجا ہے کہ ایک سال کیلئے نظام زکوٰۃ کو کلی طور پر نافذ کر کے دیکھا جائے کہ آیا ٹیکس سے زیادہ رقم وصول ہوتی ہے کہ نہیں؟ اس کا آغاز اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ SELF ASSESMENT سکیم میں وسعت پیدا کر کے ٹیکس دہندگان کو موقعہ دیا جائے کہ اگر وہ پسند کرتے ہوں تو وہ اپنا گوشوارہ نظام زکوٰۃ کے تحت داخل کریں لیکن یہ شرط عائد کر دی جائے کہ زکوٰۃ ٹیکس کی رقم سے کم از کم ۵ یا ۲۰ فیصد زیادہ ہو۔ اگر تجار کی طرف سے حوصلہ افزا تعاون نہ ملے تو حکومت کو اپنی پالیسی پر عمل کروانے کا حق ہو گا۔

اس کے ساتھ ہی علماء کرام سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ نفاذ اسلام کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے جہاد میں شریک ہیں تو نظام زکوٰۃ کو شریعت کے مطابق کر کے غیر شرعی ٹیکسوں کو ختم کرنے میں حکومت کی مدد کریں تاکہ ادخلوا فی السلم کافۃ پر عمل ہو سکے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ۲ : ۱۴۸